Al-Asr International Research
Journal of Islamic Studies
Vol 5 Issue 4 (October-December 2025)

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
October 21, 2025

Causes and Effects of Delayed Marriages in Pakistan: The Role of Family and Tribal Customs

پاکستان میں تاخیر نکاح کے اسباب واثرات: خاندانی وقبائلی رسم ورواج کے تناظر میں ایک جائزہ

Sabahat Ramzan
M.Phil, Visiting Lecturer, University of the Punjab, Lahore

Abstract

This study explores the socio-cultural factors contributing to the delay of marriages in Pakistan, with a specific focus on the influence of family traditions and tribal customs. In many regions of Pakistan, especially in rural and tribal communities, marriage decisions are heavily influenced by long-standing cultural norms, including caste considerations, cousin preferences, dowry expectations, and strict gender roles. These customs often result in delayed marriage for both men and women, leading to various social, psychological, and economic consequences. The paper analyzes how such traditional practices hinder timely matrimonial arrangements; create obstacles for personal choice in marriage, and increase stress and societal pressure on individuals. By examining case studies and sociological data, this research aims to highlight the need for awareness and reform in customary practices to facilitate timely and consensual marriages in Pakistan.

Keywords: Delayed Marriages, Family Traditions, Tribal Customs, Dowry Expectations, Obstacle to Personal Choice

پاکستان کی بیشتر آبادی قبائل اور برادریوں پر مشتمل ہے اس خطہ میں بہت ساری زبان بولنے والے افراد زندگی بسر کرتے ہیں، ان خاندان، قبائل اور برادریوں کی جس طرح زبانیں مختلف ہیں اسی طرح ان کی رسم ورواج بھی قدرے مختلف ہیں سب کا غم وخوشی کے اظہار کے طریقے بھی جدا ہیں ان کی منفرد زبان اور رسم رواج ان کو ایک دوسرے سے ممتاز کرتی ہیں اور یہ امتیاز وانفرادیت اس وقت تک اچھی لگتی ہیں جب تک اس میں ضابطہ انسانیت قائم رہے اور انسانی معاشرے میں حق دار کو اس کے حق کی وصولی میں کوئی شخصی یا خاندانی روایت مانع نہ ہو، روایات میں انسانی فلاح کی عدم موجودگی اس کے وجود کو ناقابل برداشت بنادیتی ہے، کوئی بھی رسم ورواج معاشرے میں اس وقت تک قابل قبول ہوسکتی ہیں جب تک وہ انسانی حق میں ہو اور حقوق کی محافظت کرے، جب کوئی روایت معاشرے کے بہت سے افراد کو ان کے جائز حق سے محروم کرے جبکہ صرف بااثر افراد وخاندان کو مستفید کرتی رہیں تو ایسی روایات حقیقت میں شیطانی منصوبہ اور حق غصب کرنے کا طریقہ کہلائے جانے کا مستحق ہیں، ایسی بہت سی مذموم روایات پاکستان

Published:
October 21, 2025

کے بہت سے علاقوں میں شادی بیاہ کے معاملات میں جاری ہیں جن کی حقیقت سوائے خاندانی جائیداد پر قبضہ یا کمزور پر طاقت کی حکمرانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں اور ان میں بہت سے مرد و خواتین خاندانی و قبائلی نظام کے ہاتھوں یرغمال ہیں اور ان کی آنکھوں میں زندگی سسکتی محسوس ہوتی ہے مگر وہ حق کی آواز بلند نہیں کر سکتے ان کے سروں پر روایات کی تلوار لٹک رہی ہے جیسے ہی صدائے حق بلند کی انکے سر تن سے جدا کر دیئے جاتے ہیں، ان کا جرم اس خاندان و قبائل کا حصہ ہونا ہے، غگ، ونی اور وٹہ سٹہ جیسی رسومات روایات عقل کے خلاف ہیں، جب کہ دین میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے ، یہ تمام شادیاں حقیقت میں جبر کی بنیاد پر ہیں جو پاکستان کی نوجوان نسل کو عدم نکاح، تاخیر نکاح اور ناجائز طریقے سے جنسی ضرورت پوری کرنے پر مجبور کرنے میں معاون کردار ادا کر رہی ہیں۔ ذیل میں چند اہم خاندانی اور قبائلی رسم و رواج پیش کیے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے نکاح تاخیر کا شکار ہو جاتا ہے۔

بچپن کی منگنی

بچپن کی منگنی سے مراد وہ نسبت و ارادہ شادی جو بچوں کی نوزائیدگی اور بچپن میں ہی طے کر دی جاتی ہے، یہ منگنی خاندان کے معزز و معمر افراد کی مشاورت سے طے پاتی ہے، اس میں بچی اور بچہ کی عمر کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا کبھی پیدائش کے ساتھ ہی نسبت طے کر دی جاتی ہے، جب یہی بچے بڑے ہوتے ہیں تو اختلاف کرتے ہیں اور بچپن کے طے کیے ہوئے رشتوں کو نہیں مانتے ان کی پسند و ناپسند کا معیار ان کے مزاج و ماحول کے مطابق ہوتا ہے خوش قسمتی سے کبھی بچپن کے یہ فیصلے درست ہوتے ہیں شاید پانچ فیصد مگر ان میں سے اکثر غلط ہوتے ہیں ان فیصلوں سے نا صرف لڑکی و لڑکے کی زندگی متاثر ہوتی ہے بلکہ پورے خاندان پر اس کا اثر پڑتا ہے جب بچپن کا رشتہ ختم ہوتا تو خاندان میں لڑائی جھگڑے اور ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جاتی ہے، وہ دوستی بھی ختم ہو جاتی ہے جس دوستی کے نتیجے میں رشتہ طے ہوتا ہے اور وہ دوستی دشمنی میں بھی تبدیل ہو جاتی ہے خاندانی تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں جن بچوں کے مابین رشتہ طے ہوا اگر ایک کے دل میں انسیت ہو اور دوسرا فریق بیزار ہو تو جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے بعض اوقات ماں باپ کے دباؤ یا معاشرتی دباؤ سے شادی ہو بھی جائے تو اس تعلق کو ساری زندگی بوجھ سمجھتے ہیں اور موقع ملنے پر اس بوجھ سے آزاد بھی ہو جاتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا دیکھا گیا ہے کہ بچپن کے طے شدہ رشتے خاندانی مخاصمت سے بھی شادی میں التواء کا سبب ہوتے ہیں۔ روزنامہ اوصاف کی ایک رپورٹ کے مطابق:

"اس صورت میں والدین تو اپنا درد سر ختم کر لیتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اپنی اولاد کے لیے خوشیاں نہیں

Published:
October 21, 2025

> **دکھ خرید رہے ہیں، کیونکہ بڑے ہونے پر بچے اس رشتے سے انکار کر دیتے ہیں تو وہ گھرانوں میں کشیدگی یا دشمنی ہو جاتی ہے، ماں باپ الگ ناراض ہو جاتے ہیں بچپن میں طے کیے گئے رشتے معصوم بچوں کے ساتھ ناانصافی ہے بڑے ہونے پر انسان کی سوچ مختلف ہوتی ہے اور وہ اپنی پسند کے مطابق ہم سفر کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔"(1)**

بچپن کے رشتے قائم کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں جیسا کہ کبھی یہ رشتے مطلوبہ خاندان سے تعلقات استوار کرنے کے لیے قائم کیے جاتے ہیں، کبھی خاندانی روایات کو نبھانے کے لیے اور کبھی دوستی کو رشتہ داری میں تبدیلی کی خاطر اور کبھی جائیداد کی وجہ سے طے کیے جاتے ہیں اور ماں باپ اپنے تئیں اولاد کی بھلائی کا سوچ کر بچوں کا رشتہ پالنے میں ہی طے کر دیتے ہیں ہر کام اپنے وقت پر انجام دیا جائے تو اس کا مطلوبہ نتیجہ حاصل ہوتا وقت سے قبل یا ما بعد مطلوبہ نتائج کی امید بے ثمر ہوتی ہے، والدین اپنی سوچ کے مطابق بچوں کے رشتے طے کرتے ہیں؟ اخبار کے مضمون میں اس بارے جواب دیا گیا ہے:

> **"اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے فکر مند ہوتے ہیں کہ بڑا ہونے پر انہیں اچھا رشتہ ملے یا نہیں ملے اسکے علاوہ جو لوگ خاندان میں شادی کی روایت کے پابند ہوتے ہیں وہ بھی بچپن میں رشتہ طے کر دیتے ہیں، ہمارے دیہاتوں میں محض دولت و جائیداد کی خاطر لڑکی کی شادی چچا دادا کی عمر کے مرد کے ساتھ کر دی جاتی ہے۔"(2)**

کم عمر اور بچپن کے طے شدہ رشتے اکثر بے جوڑ بھی ہوتے ہیں اور یہ رشتے صاحب ثروت اور اثر رسوخ والے خاندان اپنے سے کم حیثیت والے خاندان سے بھی رشتہ جوڑتے ہیں تاکہ اپنی دولت اور طاقت کے ذریعہ کم حیثیت والے خاندان کو اپنے زیر اثر رکھیں، بچپن کے رشتے اور شادیاں بالخصوص سندھ اور بلوچستان کے دیہاتی علاقوں میں بہت عام ہیں جبکہ پنجاب کے بھی کئی علاقے ہیں جہاں بہت چھوٹی عمر میں نسبت طے کر دی جاتی ہے ان علاقوں میں کئی خاندان ایسے بھی ہیں جہاں پیدائش سے قبل ہی رشتے طے کر دیئے جاتے ہیں اس رسم کو پیٹ لکھی کا نام دیا جاتا ہے بلوچستان میں اس رسم کو پڑی، پیٹ بندنا کہتے ہیں۔(3) کوہستانی علاقوں میں بھی رسم عام ہے، ایک اندازے کے مطابق سندھ کے دیہاتی علاقوں میں سات یا آٹھ سال کی عمر میں شادی بھی کر دی جاتی ہے اسی طرح بلوچستان میں کم عمر کے رشتوں کا بہت رجحان ہے(4)، 90 فیصد لڑکے بچپن کے رشتے سے انکار کر دیتے ہیں جب کہ کچھ فی صد لڑکیاں بھی بچپن کے رشتوں سے منع کر دیتی ہیں۔ روزنامہ اسلام آباد کی ایک رپورٹ کے مطابق:

1۔ روزنامہ اوصاف، لاہور، 30 نومبر 2011ء
2۔ ایضاً
3۔ کسانڈرا بلچین، سمیعہ خاور ممتاز (س۔ن)، عورت قانون اور معاشرہ علم کی راہیں، لاہور، شرکت گاہ، ص:28
4۔ سحری، انعام الرحمن (2008ء)، شادی ایک مطالعہ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص:154

cc BY

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
October 21, 2025

> **"کوئی رشتہ بچپن میں طے ہو جاتا ہے تو بڑے ہونے پر اس لڑکے میں کسی خامی کی وجہ سے لڑکی شادی سے انکار کر دیتی ہے تو ایسے میں وہ آدمی تو شادی کر لیتا ہے مگر لڑکی اس کے نام پر ساری عمر بیٹھی رہتی ہے اور وہ شادی نہیں کر سکتی۔"(5)**

یہ تو دیہات کی بات ہے جبکہ پنجاب اور سندھ کے شہروں میں بھی بہت سے ترقی یافتہ خاندانوں میں ایسا ہوتا ہے ہر خاندان میں ایک کیس لازمی ایسا پایا جاتا ہے جن کی بچپن میں منگنی طے کر دی جاتی ہے، اور بلوغت کے بعد بہت سے معاملات کی وجہ سے شادی میں تاخیر ہو جاتی ہے جو اکثر عدم نکاح کا سبب بن جاتی ہے اور اس عمر میں رشتہ طے کر کے ماں باپ کے گھر بوڑھا کر دیتے ہیں، ایسی لڑکی جس کی نسبت بچپن سے طے ہو اس کا اور کوئی رشتہ آنے کا مکان بھی نہیں ہوتا، کم عمر رشتے پائیدار نہیں ہوتے بلکہ معاشرتی و سماجی مسائل پیدا کرتے ہیں اسی حوالے سے ایک ماہر قانون ڈاکٹر تنزیل الرحمن کم سنی کی شادی کے بارے تجزیہ بیان کرتے ہیں:

> **"صغر سنی کی شادی کا نتیجہ کفو ہونے کے باوجود غیر موافق بھی ہو سکتا ہے، یہ امر کہ صغر سنی کی شادیوں کو پاکستان میں ممنوع قرار دیا گیا ہے ایک سماجی مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کو خالص مذہبی انداز میں سوچنے کے بجائے سماجی اور معاشرتی پہلو سے بھی سوچنا اور غور کرنا چاہیے، دوسری بات اس سلسلے میں ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ نابالغوں کی شادی کرنا کوئی تاکیدی نہیں بلکہ امر مباح ہے، مقتدر اعلیٰ یا ملک کا قانون ساز ادارہ معاشرے کے مفاد میں اس کو موقوف یا معطل کر سکتا ہے لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہو گا کہ مقتدر اعلیٰ یا قانون ساز ادارہ ایسے نکاح کو ناجائز خیال کرتا ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ معاشرتی مصالح کے پیش نظر سماجی برائیوں کے انسداد کی غرض سے اس امر کو موقوف یا مقید کر دیا ہے"(6)**

بچپن کے رشتے خاندانی روایات یا مفاد کی خاطر طے کیے جاتے ہیں اس میں انا، مفاد اور فرسودہ رسم کی تقویت مضمر ہے اسلامی تناظر میں بچپن میں رشتے طے کرنا گناہ اور منع نہیں ہے مگر اسلام نے اس کو فروغ بھی نہیں دیا ہے۔ یہ مباح ہے کہ جس کے کرنے یا نہ کرنے سے گناہ و ثواب نہیں ملتا مگر اس کام کے کرنے سے اگر نتائج برے حاصل ہوں اور کسی کے جائز حق پر اگر ضرب پڑے تو اس کام سے باز آنا چاہیے اور ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو اسلامی معاشرے میں بگاڑ کا باعث بنے بچپن کے طے شدہ رشتے معاشرتی و سماجی مسائل میں بڑا کردار ادا کرتے ہیں مقاصد نکاح کے حصول میں رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں، اور ان مسائل نے افراد کو تاخیر عدم نکاح سے دوچار کر دیا ہے جو اخلاقی بگاڑ کا باعث ہے۔ پس اس امر سے باز رہنا صالح معاشرے کی فلاح و بہبود ہے۔

5۔ روزنامہ خبریں، اسلام آباد، 15 مارچ 1997ء

6۔ تنزیل الرحمن، مجموعہ قوانین اسلام، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، اشاعت ششم 2013ء، ج 1، ص 217

وٹہ سٹہ

وٹہ سٹہ پاکستانی معاشرے کی ایک قبیح رسم ہے اور ایک بڑا معاشرتی مسئلہ ہے یہ خاندانی روایت پاکستان کے مختلف علاقوں میں برسوں سے رائج ہے، وٹہ سٹہ اس رشتے یا نسبت کو کہتے ہیں جو دو خاندانوں کے مابین اس شرط پر کی جاتی کہ ایک لڑکی کا رشتہ دیا جائے گا اور ایک لڑکی کا رشتہ لیا جائے گا گویا یہ ایک رشتہ ایکس چینج کی صورت ہوتی ہے یہ تبادلے کی شادی کہلاتی ہے۔

"پنجاب میں اسے وٹہ سٹہ، سندھ میں اڈو بڈو اور سرحد میں بدل کہتے ہیں"(7)

وٹہ سٹہ کی خصوصیات نکاح شغار سے مماثل ہے اور یہ نکاح شغار کی جدید شکل ہے عرب معاشرے میں قبل از اسلام نکاح شغار عام تھا اسلام کی آمد ہوئی اور اس کی ممانعت ہوئی نکاح شغار میں کوئی بھی شخص اپنی بیٹی یا بہن کی شادی دوسرے شخص سے اس بنیاد پر کرتا ہے کہ دوسرا شخص اپنی بہن یا بیٹی کا نکاح اس شخص سے کرے گا نکاح شغار میں بنا مہر کے بہن و بیٹی کا نکاح کرتے تھے جیسا کہ حدیث میں ہے

اَلشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوَّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ ،لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ۔(8)

"نکاح شغار یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیٹی کی شادی دوسرے شخص کی بیٹی کے عوض کرتا ہے جس میں کوئی مہر مقرر نہیں ہوتا۔"

وٹہ سٹہ اور نکاح شغار میں مہر کا بھی ایک فرق پایا جاتا ہے، اکثر مہر بصورت تحفظ جائیداد مقصود ہوتا ہے۔ وٹہ سٹہ میں شادی اس شرط پر طے کی جاتی ہے جس گھر ہماری بیٹی یا بہن شادی ہو کر جائے گی اس خاندان کی بہن یا بیٹی بیاہ کر ہمارے خاندان میں آئے گی اگر ایسا نہیں ہوتا تو اس جگہ سے رشتہ ختم کر دیا جاتا ہے، پنجاب و سندھ کے دیہی علاقوں میں وٹہ سٹہ بہت عام ہے بالخصوص جھنگ، سرگودھا اور میانوالی کے بہت سے خاندان شادی صرف وٹہ سٹہ کی صورت میں کرتے ہیں اسکے علاوہ شادی نہیں کرتے چاہے بیٹی یا بہن بن بیاہی ماں باپ کے گھر ساری عمر گزار دے، اسکی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں ان کی سوچ کے مطابق اسکے علاوہ کی گئی شادیاں بگاڑ پیدا کرتی ہیں اور عزت میں کمی ہوتی ہے، وٹہ سٹہ جیسی فرسودہ رسوم کی بہت سے وجوہات ہیں کچھ لوگ اپنی بیٹی کے تحفظ کی خاطر کرتے ہیں کچھ دولت و جائیداد کے تحفظ کے لیے اور کچھ انا و ضد کی وجہ سے دوسرے خاندان کو دباؤ میں رکھنے کی وجہ سے وٹہ سٹہ کرتے ہیں یہ اصل میں خاندان کے باہمی دباؤ کا مظاہرہ ہوتا ہے جو خاندان طاقتور یا معاشی طور پر خوشحال ہوتا ہے وہ اپنی برتری کا اظہار کرتا ہے اور

7۔ کسانڈرا البلجین، سمیعہ خاور ممتاز، عورت، قانون اور معاشرہ علم کی راہیں، ص 17

8۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، (1398ھ) الجامع الصحیح، بیروت، دار ابن کثیر، ص: 821، ح: 5112

cc BY

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
October 21, 2025

دوسرے خاندان کی لڑکی ایک ہتھیار کی صورت میں استعمال کرتا ہے، اکثر اوقات ان رشتوں میں ایک جوڑا مناسب اور دوسرا نامناسب ہوتا ہے جس میں عمروں کا واضح فرق یا ناپسندیدگی ہوتی ہے اور ان میں سے ایک جوڑے کی شادی ہو جائے تو دوسرا جوڑا اپنی ناپسندیدگی کی وجہ سے شادی سے گریز کرتا ہے اور اس وجہ سے شادی کا معاملہ التواء میں رہتا ہے اور بہت سے لڑکا لڑکی خوامخواہ اس نسبت سے بندھے رہتے ہیں اس ضد اور ناپسندیدگی کی وجہ سے ان کی آپس میں شادی نہیں ہو پاتی ہے اور خاندنی دباؤ کی وجہ سے کسی اور سے شادی ممکن ہوتی ہے یوں ان کی شادی سماج کی فرسودہ رسم کی نظر ہو جاتی ہے، یا پھر بہت چھوٹی عمر میں جبکہ لڑکی یا لڑکا شادی کا بار اٹھانے کے لائق نہیں ہوتی اس کی شادی کر دی جاتی ہے اس بارے میں طبّی ماہرین کی رائے اہمیت کی حامل ہے:

> **”طبّی ماہرین کے مطابق 20 سال کی عمر پاکستانی عورت کے لیے شادی کی مناسب عمر ہے اس کی جسمانی ساخت حمل کا بار اٹھانے کے لائق ہو جاتی ہے 20 سے کم 30 سے زیادہ عمر میں بہت سے طبّی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں جو ان کی جان کے لیے بھی خطرے باعث ہو سکتا ہے، پاکستان میں پنجاب و سندھ کے دیہی علاقوں میں بہت زیادہ رائج ہے“(9)**

اکثر شادیاں وٹہ سٹہ کی بنیاد پر ہوتی ہیں بہت کم ایسے رشتے سنے یا دیکھے گئے ہوں گے جو وٹہ سٹہ کی صورت میں ہوئے اور خوشحال زندگی بسر کی، کچھ گھرانے ایسے بھی ہیں جو اگر اپنی لڑکی یا لڑکے کا رشتہ کسی گھر سے جوڑنا چاہتے ہیں تو وٹہ سٹہ کے مطالبے کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ اگر ہماری بیٹی شادی ہو کر آپ کے گھر جائے گی تو آپ کی بیٹی بھی ہمارے گھر بیاہ کر آئے گی اپنے تیئں گویا ضمانتی رشتہ جوڑنے کے متمنی ہوتے ہیں حقیقت میں یہ بھی جبر کی ایک صورت ہے اور اس کے اثرات اچھے ظاہر نہیں ہوتے یا تو وہ رشتے قائم ہی نہیں ہوتے اگر ہو جائیں تو اس کے برے اثرات دونوں خاندانوں کو اپنی لپیٹ میں رکھتے ہیں ایک جوڑے کے معاملات اگر صحیح نہیں ہیں تو بھائی کو اس کی بیوی پر بلاوجہ تنگی کے لیے آمادہ کیا جائے گا صرف اس لیے کہ ان کی بیٹی خوش نہیں ہے، بالآخر دونوں خاندانوں میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے اور یہی وجہ خاندانوں کے ٹوٹنے کا سبب بن جاتی ہے، اگر رشتہ جوڑتے وقت ان باتوں پر غور کر لیا جائے تو رشتہ ٹوٹنے کی نوبت پیدا نہیں ہوتی، ایسے بیشتر رشتے ساری عمر مجبوری اور دباؤ کی وجہ سے چلتے رہتے ہیں یا ختم ہو جاتے ہیں شادی ہونے یا نہیں ہونے کی صورت میں بہت سارے ایسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جو بدنامی اور رشتہ خراب ہونے کا سبب بن جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایسی بہت سی خبریں اخبار کی زینت بن جاتی ہیں:

9۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص:155

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
October 21, 2025

"سکھر میں وٹہ سٹہ کی شادی ہوئی شوہر نے مظالم کی انتہا کر دی، بھائی پناہ نہیں دیتا، دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد دور کے عزیز یوسی ناظم کے گھر پناہ لی"(10)

وٹہ سٹہ کا سب سے برا اثر یہ ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک شادی ٹوٹنے کی صورت میں دوسرے جوڑے کو نا چاہتے ہوئے طلاق دینی پڑتی ہے، یا پھر دونوں جوڑوں کی ازدواجی زندگی خوشیوں سے محروم اور لڑائی جھگڑوں کی نذر ہو جاتی ہے ایسے حالات میں بچے اپنے والدین کے اختلافات کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور ان کا مستقبل ان کی اچھی تربیت میں خلل واقع ہوتا ہے اور یہ ایک سنگین مسئلہ بن جاتا ہے، وٹہ سٹہ سے ایک مسئلہ تو ہر ایک کو درپیش ہوتا ہے ان میں سے ایک جوڑے کا تو کفو ہوتا ہے دوسرا جوڑا اس سے محروم نظر آتا ہے اور اس میں عمر کا مسئلہ بھی ہوتا ہے، کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ذاتی مفاد کے لیے گھر کے بزرگ باپ، دادا، بھائی، چچا اور ماموں گھر کی چھوٹی چھوٹی بچیوں کے رشتے بوڑھے مردوں سے صرف اس لیے کر دیتے ہیں کہ:

"جب ایک 50 سالہ بوڑھے آدمی کو کوئی جوان لڑکی نہیں دیتا تو وہ اپنے ہی جیسے آدمی کو 15 سالہ بیٹی دے کر اس کی 15 سالہ بیٹی سے شادی کر لیتا ہے۔"(11)

وٹہ سٹہ کے سنگین نتائج میں سے کچھ نقصان ناقابل تلافی ہیں بہت سے نوجوانوں کو زبردستی اس رشتے سے منسلک تو کر دیا جاتا ہے مگر وہ اسے زندگی اور موت کا فیصلہ سمجھتے ہوئے خودکشی کر لیتے ہیں، اسی طرح کا ایک واقعہ پنجاب میں واقع ایک علاقہ ہارون آباد میں ہوا:

"ایک نئی نویلی دلہن نے گلے میں دوپٹہ ڈال کر صرف اس وجہ سے خودکشی کر لی کہ اس کی شادی وٹہ سٹہ کی تھی۔(12)"

پاکستانی الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا اس کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں ڈراموں میں ناولز میں اسکی خرابیوں سے بارہا آگاہ کیا جاتا ہے وٹہ سٹہ کے بہت سے ستائے ہوئے مرد و عورت اپنے تجربات بتاتے ہیں اور اخبار و میگزین میں اس کے بارے خبریں آتی ہیں بہت سے ٹی وی شوز اور مارننگ شوز میں اس مسئلہ کے بارے بتایا جاتا ہے، شادی سے قبل بھی اس کی وجہ سے مسائل درپیش ہوتے ہیں لڑکی و لڑکے کی پسند کا معیار مختلف ہونے کی صورت میں ان کے مزاج میں اختلاف پیدا ہوتا ہے جس سے وہ شادی کے لیے راضی نہیں ہوتے اور عدم شادی یا تاخیر کا سبب ہوتا ہے خاندانی دباؤ کی وجہ سے اس کے خلاف قدم اٹھانا مشکل ہوتا ہے اس کا نتیجہ خفیہ تعلقات کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے اور غیر اخلاقی اور بدکرداری جیسی مذموم خرابیاں جنم لیتی ہیں جو معاشرے کی پاکیزگی کو متاثر کرتی ہیں اور بگاڑ کا باعث بنتی ہیں۔

10۔ روزنامہ خبریں، لاہور، 12 جولائی 2008ء

11۔ روزنامہ خبریں، اسلام آباد، 15 مارچ 1997ء

12۔ روزنامہ سماء لاہور، 21 مارچ 2017ء

CC BY

قرآن سے شادی

قرآن سے شادی ایک مذموم رسم جو سندھ، بلوچستان اور جنوبی پنجاب میں رائج ہے کہنے کو تو یہ ایک رسم ہے حقیقت میں یہ عورت کا استحصال اور حق ضبط کرنے کا طریقہ ہے یہ مذموم رسم جنوبی پنجاب اور بلوچستان میں کم سندھ میں بہت عام ہے اور مختلف خاندانوں میں اب بھی رائج ہے، پاکستانی پرنٹ والیکٹرانک میڈیا نے اس مذموم رسم کی نقاب کشائی میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے، یہ ایک خالصتاً خاندانی رسم ہوتی ہے اور بیرون خانہ کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جاتی اس لیے کہ شعور و آگہی کی روشنی سے خاندانی مفادات پر ضرب پڑے گی اور عورت کے استحصال کے بجائے جائیداد کی تقسیم عمل میں آئے گی، بااثر، زمیندار اور دولت مند وڈیرے اور جاگیر دار اپنی بیٹیوں، بہنوں، بھانجیوں اور بھتیجیوں کو جو زمین اور جائیداد میں حصہ دار ہوتی ہیں جب وہ جوان ہوتی ہیں تو ان کی شادی قرآن سے کر دیتے ہیں اس کی باقاعدہ ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے قریبی خاندان والے جمع ہوتے ہیں اور قرآن سے نکاح کیا جاتا ہے طالع محمد اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وڈیرے اور جاگیر دار اپنی جاگیروں کو تحفظ دینے کے لیے اور کسی کو اپنا داماد بنانے کی ذلت سے بچنے کے لیے اپنی بیٹیوں کا نکاح قرآن سے کر دیتے ہیں جس کے لیے لڑکی کو باقاعدہ ہار سنگھار کر کے سرخ گھونگھٹ نکال کر سہیلیوں کے جھرمٹ میں بٹھا دیتے ہیں اور اس کے برابر ریشمی جزدان میں سجا ہوا قرآن رحل پر رکھا جاتا ہے، مولوی صاحب کچھ الفاظ پڑھتے ہیں، تب بوڑھیاں قرآن اٹھا کر دلہن کی گود میں رکھ دیتی ہیں اور دلہن قرآن کو بوسہ دیتی ہو اور اقرار کہ اس نے اپنا حق نکاح قرآن کو بخش دیا، اس پر حاضرین مجلس ظالم باپ اور مظلوم بیٹی کو مبارکباد دیتے ہیں"(13)

یہ رسم صرف عورت کے حقوق کا استحصال نہیں بلکہ قرآن کا غلط استعمال ہے وہ کتاب اللہ جس نے انسان کو حقوق عطا کیے اس کو ظالم لوگ حق ضبط کرنے پر گواہ بناتے ہیں اس رسم کے بعد اس لڑکی کے لیے زندگی اور بھی مشکل بنادی جاتی ہے اسے معاشرتی زندگی سے لاتعلق ہو کر زندگی گزارنی ہوتی ہے، ہفت روزہ تکبیر میں اسی حوالے سے لکھا گیا ہے:

"قرآن سے شادی اور اپنے شادی کے حق سے دستبرداری کے بعد یہ لڑکی بی بی بن جاتی ہے اور روحانیت کے درجہ پر فائز ہو جاتی ہے، گاؤں کی تمام عورتیں دم کرانے کے لیے اپنے بچوں کو اس کے پاس لانے لگتی ہیں اور نذرانہ اس کے قدموں میں نچھاور کرتی ہیں، اس طرح وڈیرے اور نام نہاد گدی نشین کی جان، وراثت کا حق دینے سے چھوٹ جاتی ہے اور اس کی جھوٹی آن برقرار رہتی ہے"۔(14)

قرآن سے شادی بعد وہ سفید کپڑوں میں ملبوس سنگھار سے محروم معاشرتی زندگی سے لاتعلق زندگی گزارنے کی پابند ہوتی ہے ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ عام عورتوں سے اس کا رتبہ بلند ہے اور وہ ایک برگزیدہ ہستی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک عام کی عورت کی مانند بھی اسے حقوق حاصل نہیں ہوتے نہ ہی

13۔ طالع محمد، (س۔ن)، نکاح کی اہمیت اور برکات، لاہور، اذان سحر پبلی کیشنز، ص:25

14۔ ہفت روزہ تکبیر، 29جون 1995ء

اسے کسی مرد سے شادی کی اجازت ہوتی ہے نہ اسے جائیداد میں حصہ ملتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی سوشل ایکٹیویز ہوتی ہیں اس کے لیے ایک کمرہ مختص کر دیا جاتا ہے جہاں سادہ کپڑوں میں سادہ غذا کھا کر اپنی زندگی کے دن کاٹتی ہے یہ رسم عورت کو زندہ دو گور کرنے کے مترادف ہے، انعام الرحمن سحری نے اس حوالے سے سندھ کا ایک مشہور واقعہ نقل کیا ہے:

> **"حیدر آباد کے نواح میں واقع ایک قصبہ ٹنڈو میں غلام حسین کا ایک لڑکا نذیر بچپن سے ہی اپنی چار پھوپھیوں کو سفید لباس میں ملبوس، اگر بتیوں کی خوشبو کے جلو میں تمام دن قرآن کا ورد کرتے دیکھتا رہتا تھا، بڑے ہو کر اسے علم ہوا کہ اس کے دادا نے اپنی چاروں بیٹیوں کی شادی قرآن سے کر دی تھی، یہ اس لیے تھا کہ ان کے رتبے کے موافق ان کے خاندان میں رشتے میسر نہ تھے اور وہ خاندان سے باہر ان کی شادیاں اس لیے نہ کر سکتے تھے کہ خاندان کی جائیداد تقسیم ہو کر باہر چلی جاتی"۔(15)**

کائنات میں رنگ بھرنے والی بیٹی بہن کی زندگی کے سارے رنگوں کو اس کے اپنے باپ دادا بے رنگ کر دیتے ہیں، مکان کو گھر بنانے والی عورت کو مرد ذات نے سماجی مکاں میں قید کر دیتے ہیں، عورت کو جائز حق سے محروم کر دیتے ہیں، جن عورتوں کے ساتھ ایسا کیا گیا انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں اپنا گلہ گھونٹ لیا زہر پی لیا اور ایسی غیر انسانی زندگی سے نجات حاصل کی یہ رسم عصر حاضر میں انسانیت پر ایک کاری ضرب ہے ایسی لڑکیوں کے جذبات کے بارے انعام الرحمن رقمطراز ہیں:

> **"لڑکی کی زندگی میں جب یہ دن آتا ہے تو اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس دن کے آنے سے تو اچھا ہے وہ خود کو مار ڈالے، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ لڑکیوں نے خودکشی کی کوشش بھی کی۔ ضلع دادو کے ایک گاؤں سنگری میں بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا، ایک بااثر قبیلے کی لڑکی نے گھر میں رکھی ہوئی بندوق سے خودکشی کر لی مگر بعد میں لڑکی کی اس خودکشی کو قتل قرار دے کر اس کا الزام اپنے مخالفوں پر لگا دیا"(16)**

کچھ عورتوں نے خودکشی کی اور موت کی آغوش میں جا سوئیں کچھ ایسی عورتیں بھی ہیں جو اس رسم کا شکار ہوئی تو ذہنی دباؤ اور بے سکون زندگی نے انہیں چلتی پھرتی لاش بنا دیا جس کا تجزیہ ہفت روزہ اخبار میں ایک صاحب نے یوں پیش کیا:

> **"یہ زندہ لڑکیاں جب جذبات سے مغلوب ہو کر ہسٹریا کی مریضہ بن جاتی ہیں تو اس کو روحانیت میں ترقی سے تعبیر کیا جاتا ہے، سندھ کے بڑے بڑے زمینداروں کی بڑی بڑی چوپائیوں میں اور پیر صاحب کی گدیوں میں چند خوف خدا کے حامل اور انسانیت کی رمق رکھنے والوں کے علاوہ بیشتر حویلیاں اور**

15۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص:167،168

16۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص169

گدیاں زندہ درگور بیٹیوں کی قبریں نظر آئیں گی اس ظالمانہ رسم سے جہاں بے شمار لڑکیاں چلتی پھرتی لاش بن جاتی ہیں وہیں بعض اوقات اس ناانصافی کے رد عمل میں برائیاں بھی جنم لیتی ہیں۔ "(17)

اس رسم کا شکار کچھ عورتیں فطری جذبات سے مغلوب ہو کر بدکاری میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور کچھ غیر فطری طریقے سے جسمانی ضرورت پوری کرتی ہیں اگر وقت پر ان کا جائز حق میسر ہو جائے تو یہ خرابیاں پیدا نہ ہوں اسی طرح بہت سی خواتین اندرون سندھ نکاح کی منتظر ہیں انعام الرحمن نے لکھا ہے کہ:

” ضلع دادو میں کاچھو والے علاقے میں ایک قبیلے میں اب تک بہت سی لڑکیوں کی شادی نہیں کروائی گئی اور ان کی تمام عمر بڑی حویلیوں میں بیت گئی، تاہم اس قبیلے میں کچھ عورتیں اب تک شادی کی آس لگائے بیٹھی ہیں، ایسی مثالیں دادو میں کوہستان والے علاقے کے بااثر قبیلے کے حوالے سے موجود ہیں "(18)

جھوٹی عزت اور جائیداد کے تحفظ کے لیے عورت کے حقوق کا اس سے بڑھ کر اور کیا استحصال ہو سکتا ہے، قرآن سے شادی صرف عورت کی جاتی ہے کبھی کسی مرد کی نہیں کی گئی اس رسم کا یہ پہلو بے انصافی کی دلیل ہے صرف عورت کو ہی کیوں پابند کی جاتا ہے صرف اس کے حقوق کی پامالی کیوں؟ ہر اس باپ، دادا، چچا، ماموں اور بھائی سے سوال ہے جس نے اس رسم کو ادا کیا ہو اس رسم میں صرف عورت کی تخصیص کیوں؟ حق بخشوانے کی یہ رسم عورت کا حق ہتھیانے کی رسم ہے پاکستان میں صوبہ سندھ اور جنوبی پنجاب کی بہت سی مظلوم عورتیں صرف عورت ہونے کی وجہ سے جابر مرد کے اس شکنجے میں ساری عمر دیواروں اور چھتوں کو دیکھتے گزار دیتی ہیں۔

"سندھ میں حق بخشانے کی یہ رسم کے بارے میں دادو ضلع کے پہاڑی علاقوں کے ایک قبائلی سردار کا یہ قصہ مشہور ہے کہ اس نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کے لیے یہ شرط رکھی کہ جب اس علاقے کا کوئی جوان تین شیروں کا شکار کرے گا تو وہ اس نوجوان سے اپنی بیٹی کی شادی کرے گا لوگوں کا کہنا ہے کہ اس نے یہ شرط اس خیال سے رکھی تھی کہ کوئی یہ کام نہیں کر سکے گا اور اسے اپنی بیٹی کی شادی نہیں کرنی پڑے گی اور ہوا بھی یہی، اس سردار کی بیٹی بوڑھی ہونے تک گھر میں ہی بیٹھی رہی، ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو سندھ میں مرتی ہوئی جاگیرداری اور اندر سے کھوکھلی وڈیرا شاہی کی علامتیں ہیں اور بنیادی انسان حقوق کے چارٹر کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے مترادف اور انسانیت کی توہین ہیں۔ "(19)

17۔ ہفت روزہ تکبیر، 29جون1995ء

18۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص169

19۔ روزنامہ جنگ، لاہور، 16اکتوبر، 1994ء

اس شرمناک رسم کا اعادہ عصر حاضر میں جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے کسی بھی عورت سے یہ سلوک ظلم کی انتہا ہے قرآن سے شادیوں کا جو رواج سندھ، بلوچستان اور جنوبی پنجاب میں عام ہے اس کے مقاصد سوائے ان عورتوں کا حق وراثت غصب کرنے اور ان کے جائز حق سے محروم کرنے کے اور کچھ نہیں ہے نہ صرف اس میں اسلامی تعلیمات کی نفی ہے بلکہ تہذیب و تمدن کے تناظر میں جہالت و گمراہی اور ظلم کی ایک صورت ہے یہ عورت کا حق غصب کرنے کے ساتھ ساتھ قرآن کا غلط استعمال اور اس کی تعلیمات کا عملی انکار ہے، قابل ستائش ہے وہ پاکستانی پرنٹ و الیکٹرونک میڈیا جو اس ظلم کا شکار خواتین کے حق میں صدائے حق بلند کرتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ان مظالم کی نشاندہی کر کے اہل بصیرت و دانشمند اور علماء کرام کی توجہ مبذول کروانے میں اہم کردار ادا کرتے رہتے ہیں۔

غگ وونی

غگ پاکستان کے قبائلی علاقوں ایک قبیح رسم ہے جو برسوں سے رائج ہے بالخصوص خیبر پختونخواء میں غگ کی رسم بہت عام ہے اس رسم میں قاتل مرد کی بیٹی یا بہن کی پیدائش کے موقع پر یا بعد میں خاندان کے سارے افراد جمع ہوتے ہیں خاندان کا معمر اور اثر رسوخ والا شخص اس خاندان یا گھر کے افراد کے جرم کی سزا میں بلند آواز میں کسی بھی شخص سے اس نوزائیدہ بچی کی شادی طے کر دیتا ہے اسی لیے اسے غگ کہا جاتا ہے، یہ نسبت طے کرنے کا اعلان ہوتا ہے اس اعلان سے قبل کسی سے بھی کوئی مشاورت نہیں کی جاتی، بچی کی پسند اور رائے لینا تو ممکن نہیں ہو سکتا مگر اس بارے نوزائیدہ بچی کی ماں باپ کو بھی اعتماد میں نہیں لیا جاتا ہے، یہ رشتہ بطور سزا طے کیا جاتا ہے، اس فیصلہ سے اختلاف تو دور کی بات کوئی اس کے خلاف ناپسندیدگی کا اظہار بھی نہیں کر سکتا، اس اعلان کے بعد ہر صورت میں اس بچی کی شادی اسی شخص سے کی جاتی ہے یا وہ بنا شادی کے اپنے ماں باپ کے گھر اپنی عمر گزار دیتی ہے، عام طور پر یہ رشتہ ہی سزا کے طور پر امیر خاندان والے غریبوں کے لیے طے کرتے ہیں اس حوالے سے یہ تحریر لمحۂ فکریہ ہے:

> **”خاندان کا ہی کوئی بڑا اثر و رسوخ والا یا کسی بھی لحاظ سے طاقتور فرد اٹھ کر نسبتاً غریب اور کمزور خاندان کی لڑکیوں کے لیے غگ (آواز) لگاتا ہے، اس میں عمر کا بھی فرق نہیں رکھا جاتا، عام حالات کے علاوہ غگ (آواز) کی رسم اغواء کی جانے والی لڑکیوں، بھاگ کر شادی کرنے والے اشخاص، قتل یا لڑائی جھگڑوں کے واقعات کے نتیجہ میں سامنے آتی ہے۔"(20)**

20۔ روزنامہ اوصاف، سنڈے میگزین، 13 مئی، 2012ء

بظاہر اس طریقے سے شادی کی نسبت طے کی جاتی ہے مگر حقیقت میں قصاص کی ادائیگی کی جاتی ہے اور قصاص ایک سزا ہے اور یہاں غگ سے مراد قصاص لیا جاتا ہے۔ یہ ازدواجی رشتے کی توہین ہے، انسان جس موقع کو کو خوشی کی وجہ سے شادی کا نام دیتا ہے اسی فعل کو جاہل معاشرے اس کے حقیقی مراد کو مسخ کر کے غم وسزا تبدیل کر دیتے ہیں یہ معاشرتی زندگی کی تذلیل ہے۔

ونی بھی پاکستانی معاشرے کی ایک قبیح رسم ہے ونی میں عورت بحیثیت بہن، بیٹی، بھانجی اور بھتیجی کو قاتل و مقتول کے مابین تاوان اور خون بہا کے عوض کسی بھی شخص کے عقد میں دے دیا جاتا ہے اس میں کفو کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا ہے پسند و ناپسند اور مشاورت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اصل میں تو یہ ایک انتقام کی شکل ہے اپنے باپ، بھائی کے قتل کا تاوان عورت کے بدلے ادا کیا جاتا ہے اور پوری زندگی وہ عورت اس انتقام کا نشانہ بنتی ہے اس سے فرار اور واپسی کا اس کے پاس کوئی راستہ یا ذریعہ نہیں ہوتا لا محالہ اسے یہ سزا پوری زندگی بھگتنی پڑتی ہے:

"ونی ضلع میانوالی کی ایک علاقائی رسم ہے جس میں لڑکیوں کی شادی قتل یا دیگر جھگڑوں کو چکانے کے لیے تاوان کے طور پر کی جاتی ہے"(21)

پاکستان کے بعض علاقوں میں ونی کی رسم ادا کی جاتی ہے اور مختلف علاقوں میں ملتے جلتے ناموں سے اس رسم کو پکارا جاتا ہے مگر مقصد تاوان چکانے کے لیے لڑکیوں کی شادی کرنا ہے:

"یہ رسم Parkton (نیازی) قبیلے سے تعلق رکھتی ہے لیکن ونی پشتو زبان کا لفظ نہیں ہے یہ سرائیکی لفظ وینی کے قریب قریب ہے، جس کے معنی کلائی (wrist) ہیں چونکہ اپنا آپ دوسرے کے حوالے کرتے وقت عموما کلائی پکڑائی جاتی ہے، اس وجہ سے اس رسم کو Veeny کا نام دیا گیا ہے، اس وقت کے ساتھ ساتھ اس کے تلفظ میں تبدیلی آتی چلی گئی اور ان یہ لفظ ونی (wunny) پکارا جاتا ہے، اس ضلع کی اکثریت سرائیکی بولنے والوں کی ہے، ونی کا رواج اس سے ملحقہ مثلاً تلہ گنگ (چکوال) بھکر اور خوشاب کے کچھ علاقوں میں بھی موجود ہے۔"(22)

ونی کی رسم پاکستان کے قبائلی علاقہ جات میں رائج ہے مذکورہ بالا قبائل کی جاہلانہ رسوم ان کی ناخواندگی کو ظاہر کرتی ہے یا دوسری صورت ہٹ دھرمی سے ظلم و جبر پر قائم رہنا ہے، ان قبائل کا تصور ونی کے ذریعہ قتل و غارت گری کرنا ہے اس کے لیے تاوان میں عورت کو بھینٹ چڑھاتے ہیں کسی ظلم کا خاتمہ ظلم سے کیسے ممکن ہے اور تاوان میں عورت کے بجائے مرد بھی تو دیا جاسکتا ہے مگر مرد اپنی طاقت کا اظہار کمزور صنف پر کرتا ہے اس لیے عورت

---

21 - Ubaid Ullah, Situtional Analysis of Wunny in Mianwali District, Karwan, Kalabagh Mian wali, p:4

22 - Ubaid Ullah, Situtional Analysis of Wunny in Mianwali District, Karwan, Kalabagh Mian wali, p:28

Published:
October 21, 2025

کو ونی کیا جاتا ہے ونی عورت کے لیے مسلسل ظلم کی طرح ہے اس کے لیے زندگی بھر کی سزا کی ہے اس پر مزید ستم یہ بھی ہے کہ اس عورت کے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا جس خاندان کو لڑکی ونی کی جاتی ہے وہ اس کا سسرال نہیں بلکہ قید خانہ ثابت ہوتا ہے اور اس بے چاری عورت کا کوئی وکیل کوئی ہمدرد نہیں ہوتا اس کی سزا کی مدت اس کی موت کے ساتھ مکمل ہوتی ہے ایسی عورت کا کوئی معاشرتی مقام نہیں ہوتا کوئی اسے عزت و وقار نہیں دیتا وہ ایک نکاحی قیدی ہوتی ہے ایک مسلمان عورت کی حیثیت تو دور کی بات اسے ایک انسان بھی نہیں سمجھا جاتا ہے، اسی طرح اس کی اولاد کو کوئی مقام و مرتبہ نہیں ملتا اس ظلم کا سلسلہ اگلی نسلوں تک جاری ہتا ہے۔

> **"ونی کی گئی خاتون اور اس کے بچے دونوں خوف اور دہشت میں زندگی بسر کرتے ہیں، ونی کو "سوارا" بھی کہا جاتا ہے، صوبہ سرحد کے علاقے چارسدہ، سوات، بٹگرام اور خیبر ایجنسی میں کہیں کہیں رواج ہے کہ پرانے جھگڑے ختم کرنے کے لیے عورت کو ہرجانے کے طور پر فریقِ مخالف کو دیا جاتا ہے اسے سوارا (بدل) کہتے ہیں، بلوچستان کے کچھ علاقوں میں بھی عورتوں کو بدل صلح دینے کا رواج ہے، ایسی عورتوں کا کوئی سماجی مرتبہ نہیں ہوتا۔"(23)**

ونی وغگ جیسی روایات ظلم و جبر کی ایک صورت ہے بظاہر اسے شادی کا نام دیا جاتا ہے جبکہ حقیقت میں یہ عورت کے لیے یہ زندگی بھر کی قید ہوتی ہے اور اصل مجرم باپ بھائی یا دیگر مرد رشتہ دار ہوتا ہے مگر سزا عورت کے لیے مقدر کی جاتی ہے، ونی اور غگ بنیادی طور پر ایک جیسی مذموم رسوم ہیں صرف نام کا فرق ہے یہ فرق قبائلی و معاشرتی تبدیلیوں کی وجہ سے ہے کیوں کہ حقیقت میں یہ ایک تاوان ہے، جب بنیاد ہی غلط ہو تو عمارت کیسے سیدھی ہو سکتی ہے اس طرح کی طے شدہ نسبتوں کے برے نتائج سامنے آتے ہیں لڑکی جب بڑی ہوتی ہے تو وہ بے جوڑ رشتے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی اور شادی سے انکار کی صورت میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں زبردستی شادی پر مجبور کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں لڑکیاں گھر سے فرار ہو جاتی ہیں اور ان کو قتل کر دیا جاتا ہے یا وہ جسم فروشوں کے ہاتھ لگتی ہیں اور ساری عمر گناہ کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہیں، اگر فرار نہیں ہوں تو طبیعت کی بغاوت خفیہ تعلقات کی راہ تلاش کرتی ہے جس سے معاشرے میں بدکاری پھیلتی ہے، یا پھر لڑکی اس نسبت کی وجہ سے کہیں اور شادی کرنے کی مجاز نہیں ہوتی اور ساری عمر اپنے والدین کے گھر گزار دیتی ہے ان تمام صورتحال میں شادی کا معاملہ التواء کا شکار رہتا ہے جو خاندانوں کے مابین جھگڑوں اور قتل و غارت گری کا باعث بنتا ہے ایک آدمی کے غلط فیصلے کی وجہ سے کئی زندگیاں برباد ہوتی ہیں مرد و عورت کے حقوق کا استحصال ہوتا ہے اور کئی خاندانوں میں قبائلی دشمنی کی بنیاد پڑتی ہے۔

23۔ اعوان، محبت حسین، (2002ء) اسلام قانون اور مظلوم پاکستانی عورت، کراچی، مکتبہ البخاری، ص:176

برادری و خاندانی نظام

پاکستانی معاشرے میں روایات کی بہت زیادہ اہمیت ہے، خاندانی و قبائلی فخر انسانی حقوق کی پامالی بڑا سبب ہے ایک جانب خاندان کے غرور میں مبتلا اپنے ہی خاندان کے افراد کی حق تلفی کا باعث ہے اور دوسری جانب دیگر خاندان و قبائل کو کم نسل اور حقیر کہہ کر نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں، اعلیٰ خاندان کا خمار دوسرے خاندان سے خاندانی روابط استوار کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں جس کی وجہ سے اس خاندان میں بے بنیاد رسوم معاشرتی بگاڑ کا باعث ہیں صرف یہی نہیں بلکہ اونچی ناک والے قبائل و خاندان کے افراد کو جب ان کے بنیادی حق سے محروم کیا جاتا ہے تو ایک پہلو حق تلفی کا اور دوسرا پہلو بغاوت کا ظاہر ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یا تو حق دار اپنے حق کے لیے اپنی آواز گھونٹ لیتا ہے یا بلند کرتا ہے گھونٹ لینے سے سسکتی بلکتی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتا ہے یا مایوس اسے خودکشی سے ہمکنار کر دیتی ہے صدائے حق بلند کرنے والے خاندان والواں کی درندگی کا شکار ہو جاتے ہیں یا مفرور زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں یا پھر خاندانی سرگرمیوں سے محروم زندگی بسر کرتے ہیں یہ خاندانی بائیکاٹ کہلاتا ہے جس کی کثیر مثالیں پاکستانی معاشرے میں پائی جاتی ہیں، خاندانی و قبائلی غرور و فخر میں بھی عورت جبر کا شکار نظر آتی ہے۔ پاکستان کے ہر صوبے میں ایسے درجنوں خاندان و قبائل ہیں جو مرد و خواتین کو روایات کی قید میں جکڑے ہوئے ہیں ایسے بہت سے لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو ظلم کا شکار ہوئے ہیں صرف اس وجہ سے کہ خاندان میں ان کے لیے مناسب رشتے نہیں ہیں، بعض خاندانوں اور برادریوں کے اندر لڑکے یا لڑکی کے لیے مناسب رشتہ موجود نہیں ہوتا اور دوسرے خاندان یا برادری میں بہت موزوں رشتہ موجود ہوتا ہے مگر لوگ اپنی برادری یا خاندان سے باہر صرف اس وجہ سے لڑکے یا لڑکی کا رشتہ نہیں کرتے کہ یہ رشتہ ان کے اپنے خاندان یا برادری سے باہر ہوتا ہے اور یوں اس لڑکی یا لڑکے کی شادی کی مناسب عمر گزر جاتی ہے۔

پنجاب میں آرائیں کبھی اپنی بیٹی غیر خاندان میں نہیں دیتے اسی طرح میمن برادری کبھی غیر برادری میں شادی نہیں کرتے خواہ خاندان میں جوڑ ہو یا نہیں ہوا گر اس روایت سے کوئی بغاوت کرتا ہے تو وہ خاندان کا حصہ نہیں کہلاتا سب برادری والے اس کا سوشل بائیکاٹ کرتے ہیں، کچھ سید گھرانوں میں خاندان میں عدم دستیابی کے باوجود غیر خاندان میں شادی نہیں کی جاتی ہے، خاندان و قبائل کے بااثر اور معمر افراد اپنی بہن بیٹی کے لیے ناقابل قبول اصول وضع کرتے ہیں جبکہ اپنے لیے انکے معیار اس کے برعکس ہوتا ہے اس بارے انعام الرحمن سحری کا تجزیہ حقیقت پر مبنی ہے:

"یہ بہت ہی دلچسپ پہلو ہے کہ سندھ کے بہت سے نامور سیاستدان، ادیب، دانشور، اور معروف لوگوں نے خود تو ایک سے

CC BY

Published:
October 21, 2025

> **زائد شادیاں کی ہیں مگر اپنے گھروں میں اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو انہوں نے قید رکھا، سندھ کے سیدوں میں یہ عام ہے کہ وہ خود تو عام قبیلے کی کسی لڑکی سے شادی کر لیتے ہیں مگر اپنے گھروں میں ان کی بیٹیاں بوڑھی ہو جاتی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ بی بی زادیاں رعایا کے گھروں میں کیسے جا سکتی ہیں۔"(24)**

خاندان میں شادی کے حق میں تین وجوہات ہوتی ہیں، پہلی وجہ حسب و نسب کی برتری ہوتی ہے جس کی وجہ سے کم حسب والے کو لائقِ احترام نہیں سمجھا جاتا اور ان سے رشتہ استوار کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے، دوسری وجہ جائیداد میں تقسیم اور غیر خاندان میں جائیداد کی منتقلی ہے، تیسری وجہ مثبت ہے وہ یہ کہ خاندان کے افراد کی برائیاں اور اچھائیاں سامنے ہوتی ہیں اور رشتہ نبھاتے میں خاندان کے لڑکے اور لڑکیاں معاون متصور کیا جاتے ہیں، مذکورہ تینوں وجوہات انسان کی اپنی طے کردہ ہیں اس میں کوئی مذہبی معاشرتی دباؤ نہیں ہوتا نہ ہی اس میں کسی تہذیب کا کوئی عمل دخل ہے اور نہ ہی اسلام سے ایسی مذموم رسوم کا کوئی تعلق ہے، اول و دوم وجوہات غرور و تکبر پر مبنی ہیں اور دونوں میں ہی بھلائی کا پہلو نہیں ہے اور یہ وجوہات بہت سے نوجوان لڑکے و لڑکی کی شادی میں تعطل کا سبب ہیں، سوم میں اچھائی مضمر ہے اگر خاندان میں کفو مل جائے تو خوشی کی بات ہے ایسی خواہش میں کوئی حرج نہیں نہ ہی ایسی شادی میں کسی قسم کی دینی و مذہبی قباحت و نفی ہے، خاندان میں کفو موجود نہیں ہے تو خاندان سے باہر شادی کرنے میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہیئے پاکستان میں بہت سارے خاندان، قبائل اور برادریاں بہت سی مذموم رسوم کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں جن کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہوتی ہے:

> **"ذات پات، برادری، قومیت اور زبان وغیرہ آج بھی بہت سے لوگوں کے لیے اصل معیار ہیں۔ ان دائروں سے باہر کتنے ہی اچھے رشتے مل سکتے ہیں مگر ان کا تعصب اور ہٹ دھرمی انہیں اس مصنوعی خول سے باہر نکلنے نہیں دیتے، چاہے شادی کی عمر نکل جائے یا بے جوڑ شادیاں کرنی پڑیں "(25)**

بلاشبہ یہ ایک قومی المیہ بن گیا ہے، ہر برادری اور خاندان کے افراد اس گمان کا شکار ہیں کہ وہ دیگر خاندان و برادری سے برتر ہیں یہی وجہ ہے کہ پاکستانی نوجوان لڑکے و لڑکیاں کی کثیر تعداد پاکیزہ اور باعزت ازدواجی زندگیوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں اور اس میں بڑی رکاوٹ خاندانی نظام ہے۔

24۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص: 171

25۔ روزنامہ الشرق انٹرنیشنل، 27 مئی 2013ء

پاکستانی معاشرے میں خاندانی نظام کے تحفظ کی خاطر مذہب وملت، دین وایمان اور انسانیت کو پس پشت ڈال کر صرف خاندانی روایات کو مقدم رکھا جاتا ہے اور اس عمل میں اس درجہ شدت پائی جاتی ہے کہ خاندان روایات کے مقابل خاندان کے افراد کو ان کے جائز حق سے محروم ہو کر خاندان کا حصہ بن کر رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے بصورت دیگر خاندانی وقبائلی بائیکاٹ اور ان کی دشمنی حصہ میں آتی ہے، پاکستان کے سرکردہ افراد کے خاندانی و قبائلی دہشت گردی کا حصہ نظر آتے ہیں اس بارے انعام الرحمن کے الفاظ مہر ثبت کرتے نظر آتے ہیں:

> **"خاندان سے باہر شادیاں کرنے کو قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے، دوسرے یہ کہ کسی کو باہر کے خاندان سے صاحب حیثیت اور تعلیم یافتہ لڑکا میسر ہوتا ہو مگر اس کے اپنے خاندان میں ان پڑھ، گنوار اور ہیروئن وعمر رسیدہ شخص دستیاب ہے تو خاندان کے اس شخص کو ترجیح دی جائے گی"(26)**

اسلامی اقدار کے مقابل خاندانی روایات کو مقدم رکھا جاتا ہے اور مناسب رشتہ میسر ہونے کے باوجود اس لیے رد کر دیا جاتا ہے کہ خاندان سے باہر رشتہ استوار نہیں کرنا اسی نامناسب منفی رویہ کی وجہ سے نوجوان نسل خاندانی روایات کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں تو اسے بے حیائی پر محمول کیا جاتا ہے اور اگر خدانخواستہ خاندانی روایات کے خلاف اگر نوجوان عملی اقدام کرتے ہیں تو ان کو ساری عمر خاندانی مقاطعہ کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور خاندان غیرت کا مسئلہ سمجھتے ہوئے ایسے نوجوانوں کو زندگی سے محروم بھی کر دیتے ہیں ایسا ہی ایک واقعہ مہر قبیلے کا انعام الرحمن سحری نے ذکر کیا ہے:

> **"1995ء کے اوائل میں مہر قبیلے کے ایک شخص نے اپنی بیٹی تسنیم، جو چانڈکا میڈیکل کالج، لاڑکانہ میں آخری سال کی طالبہ تھی، کا رشتہ اس کے ہم جماعت سے طے کر دیا جو چنا خاندان سے تعلق رکھتا تھا، مہر قبیلے کے سرداروں نے تسنیم کو سمجھایا کی یہ رشتہ ختم کر دے مگر وہ نہ مانے پھر اس قبیلے نے چنا خاندان کے افراد پر دباؤ ڈلنا شروع کر دیا مگر انہوں نے بھی کوئی دباؤ قبول کرنے سے انکار کر دیا، سب خاموش ہو گئے تو تسنیم کے والدین سمجھے کہ معاملہ ختم ہو گیا ہے مگر دو ماہ بعد مہر قبیلے کے چند مسلح افراد نے تسنیم کے گھر پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی، اس حملے میں تسنیم کی والدہ موقع پر دم توڑ گئی جبکہ تسنیم ہمیشہ کے لیے اپاہج کیونکہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک گولی پیوست ہو گئی تھی"(27)**

مذکورہ بالا واقعہ دہشت گردی کا منہ بولتا ثبوت ہے اس کی بنیاد جہالت اور انانیت ہے ایسے بہت سے انسانیت سوز واقعات بار بار رونما ہوتے ہیں یہ خاندانی روایات خاندان کے افراد کو روندھ رہی ہے، اس جیسے کئی واقعات خاندانی روایات کو تو باقی رکھتے ہیں مگر انسانوں کو مار دیتے ہیں، ایسی تمام روایات

26۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص:136،137

27۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص:136،137

cc BY

جن کا تہذیب و تمدن سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نا ہی اسلامی تعلیمات کا کوئی پہلو اس میں مضمر ہے ایسی فرسودہ اور انسانیت سوز روایات کا خاتمہ ضروری ہے، وہ روایات جو محرومی کا سبب میں جو روایات زندگی سے محروم کردیں وہ روایات نہیں بلکہ خاندانی دہشت گردی ہے۔

نتائج

تاخیر نکاح میں مذکورہ بالا خاندانی وقبائلی رسم ورواج سے معاشرے میں درج ذیل نتائج واثرات مرتب ہوتے ہیں:

خاندان سے بغاوت یا کورٹ میرج

کورٹ میرج سے مراد پسند یا محبت کی وہ شادی جو معاشرے اور خاندان کے خلاف جا کر کی جائے، یہ شادیاں خاندان سے بغاوت کے نتیجے میں عمل میں آتی ہیں اس کی بہت سی وجوہات ہیں، ہمارے خاندان میں ایسا نہیں ہوتا یہ جملہ ساری زندگی بچے سن کر بڑے ہوتے ہیں اور یہ کہنے کا مقصد فقط خاندانی روایات کی ترجیح ثابت کرنا ہوتا ہے، یہی بات شادی بیاہ کے معاملات میں بھی کہی جاتی ہے، جھگڑے کی صورت جب پیدا ہوتی ہے جب جوان لڑکے و لڑکی کی پسند خاندانی روایات سے متصادم ہوتی ہے خاندانی روایات کی وجہ سے والدین اپنے بچوں کی پسند قبول کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور ان کے بچے اپنی پسند سے دستبردار ہونے کے بجائے خاندان سے دستبردار ہو جاتے ہیں اور خاندان سے بغاوت کر کے اپنی پسند کی شادی کرتے ہیں لڑکا اور لڑکی کو نکاح و شادی کے معاملے میں خاندان و گھر والوں سے کوئی حمایت نہیں ملتی اس لیے عدالت سے رجوع کرتے ہیں اس وجہ سے یہ کورٹ یا عدالتی شادیاں کہلاتی ہیں، پاکستانی معاشرے میں ایسی شادیاں اچھی نہیں سمجھی جاتیں یہ خاندان اور والدین سے بغاوت کے نتیجے میں کی جاتی ہے اسے فرار کی شادیاں بھی کہا جاتا ہے ایسی شادیوں میں کامیابی اور ناکامی اکثر شوہر اور بیوی کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے گھر والے ایسی شادی کو کسی صورت میں قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور ایسے شادی شدہ جوڑوں سے سوشل بائیکاٹ کرتے ہیں ان سے کسی قسم کا میل ملاپ پسند نہیں کرتے نہ اپنے غم اور خوشی میں ان کو شریک کرنا پسند کرتے ہیں یہ ناپسندیدگی بعض اوقات نفرت میں بھی تبدیل ہو جاتی ہے، کچھ خاندان والے اگر قبول کر بھی لیں تو ساری عمر یہ شادی طعنہ بن جاتی ہے اور بہو جس مقام و مرتبہ کی حق دار ہے اس ناپسندیدہ فعل کی وجہ سے وہ نہیں ملتا، محبت کی شادی میں عام طور پر لڑکے کا پلہ بھاری رہتا ہے کیونکہ لڑکی ماں باپ، عزیز و اقارب کو چھوڑ کر صرف لڑکے کے رحم و کرم پر ہوتی ہے، باقی سسرالی رشتے داروں کی حمایت کا حصول یا

دل میں گھر کرنا ناممکن امر ثابت ہوتا ہے۔

ملکی و قومی سطح پر مرد و عورت کے اختلاط نے نوجوان نسل کے اذہان پر جو اثرات مرتب کیے ہیں وہ کردار سازی پر ایک کاری ضرب ہے، اس اختلاط نے شرم و حیا کو معدوم کیا، آہستہ آہستہ معاشرتی اور قومی ادرارے اس کا مظہر بن گئے، مخلوط تعلیمی ادارے، مخلوط تقریبات نے اخلاقی قدریں منہدم کرنے میں معاون کردار ادا کیا، عصر حاضر میں آلات کی ترقی نے انسانی قدروں اور کردار سازی کو تنزلی کا شکار کر دیا، جبکہ موبائل، انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع روابط نے ہر قسم کے فاصلوں کو مٹا کر تمام حجابات ختم کر دیئے ہیں پاکستانی میڈیا بھی اس دوڑ میں پیچھے نہیں ہے، اسی حوالے سے معروف اسکالر محمد یوسف طیبی کی تحریر لمحہ ٔفکریہ ہے:

> **"آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ بیٹی اور بیٹا جوان ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات جوانیاں ڈھلنا شروع ہو جاتی ہیں لیکن ابھی تک شادی کی راہ میں مختلف روکاوٹیں کھڑی ہیں۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے پھر معاشقے چلتے ہیں۔ تعلیمی ادارے بھیانک کردار ادا کرتے ہیں عدالتوں میں لو میرج کے چکر چلتے ہیں ، پگڑیاں اچھلتی ہیں اور خاندانوں کے ماتھے پر بدنامیوں کے دھبے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ کتنے شرفاء ہیں کہ اسلام کے احکام سے بے راہ روی، غیر مسلموں کے رسم و رواج کی نقالی اور مروجہ روکاوٹوں نے لاکھوں مسلم نوجوان بچوں اور بچیوں کو شیطان کے ہتھے چڑھا دیا ہے اور اب بھی دور دور تک سنبھلنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے"(28)**

جب اولاد کی پرورش ایسے ماحول میں ہوتی ہے اور تمام معاملات میں ماں باپ ان کی پسند پر اعتماد بھی کرتے ہیں تو شریک حیات کی پسند کے معاملے میں یہ امتیازی سلوک کیوں کیا جاتا ہے کسی خاندان میں حد سے زیادہ آزادی اور کہیں حد سے زیادہ پابندی اولاد کو ان اقدام پر آمادہ کرتی ہے، اس کی بہت سی وجوہات ہوتی ہیں بیٹے کے ماں باپ کو خوف ہوتا ہے کہ شادی کے بعد بیٹا بدل جائے گا اور ہمارا عمل دخل اس کی زندگی سے ختم ہو جائے گا کہیں انا اور والدین کی اپنی پسند آڑے آتی ہے اور والدین رشتہ لے جانے ہر راضی نہیں ہوتے، لڑکی کے ماں باپ غیرت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں بعض اوقات خاندانی روایات ان کے پیروں کی زنجیر بن جاتی ہے اور وہ اپنی بیٹی کی پسند پر راضی نہیں ہوتے اس کھینچ تان میں جوان لڑکے لڑکی کی عمریں نکلنے لگتی ہیں آخر کار دونوں خاندان سے بغاوت کرتے ہیں اور کوٹ میرج کر لیتے ہیں، جس کے نتائج سنگین ہوتے ہیں اور اس کے برے اثرات پورے خاندان پر مرتب ہوتے ہیں:

28۔ طیبی، محمد یوسف، مسنون شادی، لاہور، دارالاندلس، ص:12

"اس وقت پاکستان میں لو میرج کی شرح 23ہزار ہے۔ صرف لاہور میں سالانہ 600لڑکیاں محبت کی شادی کر رہی ہیں۔ کراچی، حیدر آباد ،لاہور، رحیم خان، ملتان سکھر، سرگودھا اور اوکاڑہ غرض ہر جگہ شہروں میں صورت حال گھمبیر ہے۔ لاہور کے دارالامان میں روزانہ ایک لڑکی کر کے حدود کیس میں آتی ہے۔ یہ تعداد بسا اوقات 4تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ لیکن کوئی ایسا دن نہیں گزرتا کہ لاہور کے دارالامان میں کوئی لڑکی قدم نہ رکھے"(29)

مذکورہ بالا نتائج نے پاکستان کے معاشرتی نظام کو بری طرح متاثر کیا ہے اور خاندانی نظام کا شیرازہ بکھرتا جارہا ہے اور نوجوان نسل میں یہ رجحان تسلسل سے قیام پذیر ہے جس کی بہت سی وجوہات ہیں، جو معاشرے میں عام ہیں جس ماحول میں نوجوان نسل پروان چڑھ رہی ہے وہ خاندانی نظام کے بگاڑ کا اہم سبب ہے، درج ذیل تحریر اسباب کی عکاس ہے:

اس کی بنیادی وجہ ہمارا الیکٹرونک میڈیا، رومانوی ناول، میگزین، بچوں کا مخلوط تعلیمی ماحول اور مغربی وغیرہ اسلامی تہذیبوں کی اندھا دھن پیروی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں "محبت کی شادی" کا بالکل بھی تصور نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اس کو سختی سے منع کرتی ہیں۔ ایک عورت کا غیر محرم کے ساتھ بیٹھنا منع ہے۔ اگر "محبت" کو شادی کی بنیاد بنائیں گے تو بہت کمزور بنیاد ہو گی۔"(30)

کورٹ میرج کا نتیجہ اکثر گاؤں دیہات میں قتل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اسے غیرت کے نام پر قتل کہا جاتا ہے، برصغیر پاک وہند میں خاص طور پر غیرت کے نام پر قتل ہماری مشرقی تہذیب کی ایک شرمناک روایت ہے، غیرت کے نام پر قتل کی اہم وجہ اور سنگین صورت ناجائز تعلقات کا شبہ ہوتا ہے، فعل بد کے الزام میں لوگ اشتعال میں آجاتے ہیں اور اس گناہ کے شک پر مرد یا عورت یا دونوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

"غیرت کے نام پر قتل کی وجوہات و اسباب میں اہم وجہ پسند کی شادی بھی ہے۔ نوجوان نسل میں مرضی کی شادی کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ محبت اور من پسند شادی کے خواہشمند جوڑوں کا اول روز سے ہی شدید مخالفت اور مصائب کا سامنا رہا ہے۔ اس مقصد میں ناکامی پر گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کے واقعات عام ہیں اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ عشق میں ناکام عاشق خودکشی (حرام عمل) جیسی بزدلانہ حرکت کر کے زندگی کا خاتمہ کر لیتے ہیں۔"(31)

پیار محبت کے سائے میں پروان چڑھنے والی اولاد اور والدین کے مابین یہ اختلاف ناقابل تلافی جرم کی طرف لے جاتا ہے، نوجوان نسل اور والدین اپنے رویوں اور پسند کی بدولت حریف بن جاتے ہیں جس کا نتیجہ خودکشی اور قتل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، وہی گھر والے اور خاندان والے جو سونے کا

29۔ ہفت روزہ ندائے ملت، 17اگست 1997ء

30۔ زاہد، محمد اسلم، (2005ء) تحفہ برائے دلہن، لاہور، شرکت الامتیاز، ص:116

31۔ روزنامہ سماء، 17مارچ 2016ء

نوالہ اپنی اولاد کو کھلاتے ہیں اور پسند کی ہر چیز بر وقت مہیا کرتے ہیں اس نازک وقت پر اپنی ہی اولاد پر ظلم کی انتہا کر دیتے ہیں، پھر ایسی خبریں گردش کرتی ہیں:

”22 سالہ لڑکی ماریہ کو پسند کی شادی کی ضد کرنے پر گھر والوں نے پٹرول چھڑک کر آگ لگا کر مار دیا"(32)

مذکورہ بالا خبر ظلم کی انتہا کا مظہر ہے ایسا ہی افسوس ناک واقعہ ایک ماں اور بیٹی کے مابین پیش آیا:

”ماں نے اپنی 16 سالہ جوان بیٹی کو مبینہ طور پر سخت تشدد کے بعد زندہ جلادیا جس کے نتیجے میں 40 علماء کی طرف سے جاری ہونے والے فتوے میں کہا گیا کہ اسلام بالغ عورتوں کو اپنی مرضی سے شادی کی اجازت دیتا ہے اور ایسا کرنے پر عورتوں کو قتل کرنا اسلامی احکامات کے خلاف ہے۔ فتوے میں یہ بھی کہا گیا کہ معاشرے میں رائج عزت اور غیرت کے خود ساختہ معیارات جہالت، گمراہی اور کفر پر مبنی ہیں“۔ (33)

غیرت کے نام پر مرد سے زیادہ عورت ذات خاندان و برادری کے ظلم کا شکار ہوتی ہیں اور قتل ناحق کا شکار ہوتی ہیں، اگر شادی کے بعد کوئی خاتون جائز اور درست طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس پر بھی اس کی راہ مسدود کر دی جاتی ہے بلکہ اس سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا جاتا ہے ایک رپورٹ کے مطابق سندھ اور بلوچستان میں اکثر واقعات طلاق کے مطالبے پر خواتین کو جان ہی سے مار دیا جاتا ہے یا اسے خودکشی کا رنگ دے دیا جاتا ہے۔

"پاکستان میں اوسطاً ایک ہزار خواتین غیرت کے نام پر قتل کی جاتی ہیں"(34)

غیرت کے نام پر عورتوں کے قتل کی تعداد میں تدریجاً اضافہ عدل وانصاف پر ایک سوالیہ نشان ہے، اخباری رپورٹ تائید کر رہی ہے:

"ایمینٹسی انٹرنیشنل کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں سال 2013ء میں غیرت کے نام پر 869 قتل ہوئے، 2014ء میں یہ تعداد 1000 تھی اور 2015ء میں تعداد بڑھ کر 1100 ہو گئی تھی۔"(35)

ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے مطابق خاندانی عزت اور ناجائز تعلقات کے الزام میں سالانہ 600 جبکہ مرضی کی شادی کرنے کی پاداش میں لگ بھگ 200 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے جن میں اکثریت خواتین کی ہے۔

32۔ روزنامہ نوائے وقت، 19 اپریل 2017ء

33۔ روزنامہ، نئی بات، 23 دسمبر، 2016ء

34۔ روزنامہ الشرق انٹرنیشنل، 7 مارچ 2013ء

35۔ روزنامہ نئی بات، 23 دسمبر 2016ء

جو خبر کی ترسیل اور علم کے ابلاغ کے لیے موثر کارکردگی کے لیے ایجاد کیے گئے ہیں جبکہ عصر حاضر میں نوجوان نسل اس کا منفی استعمال کر کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے کا باعث بن چکے ہیں، انٹرنیٹ کا غلط استعمال بجائے جدید نظام کی آبیاری کے خاندانی نظام کے معطل کی وجہ بن چکا ہے معاشرتی زندگی پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں فرار کی شادیوں میں اضافہ کی ایک بڑی وجہ نیٹ ورک کا منفی استعمال اور موبائل نیٹ ورک کے سستے پیکجز کی باآسانی دستیابی بھی ہے، اخباری رپورٹ اس کی تائید کر رہی ہے:

> **"ملک میں کیبل نیٹ ورک کے عام ہونے اور ہندی فلموں کی نمائش سے معاشرے پر برے اثرات پرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ فحاشی و عریانی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اس کے ساتھ ساتھ نوجوان نسل میں پیار محبت جیسی چیزیں بھی تیزی سے پھیلتی جا رہی ہیں۔ جبکہ موبائل فون نے تو اب نوجوانوں کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دیا ہے نئے نئے کال اور میسج پیکج سے اکثر نوجوان دن بھر فون سے کھیلتے دکھائی دیتے ہیں دوسری طرف اس صورتحال کے باعث لومیرج کی شرح میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور پسند کی شادی کرنے والے جوڑوں کے خلاف یا تو تھانوں میں مقدمات درج کیے جا رہے ہیں یا انھیں غیرت کے نام پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ پہلے لومیرج کرنے کے واقعات شہروں میں زیادہ تر سامنے آئے اب یہ کیبل نیٹ ورک نواحی علاقوں میں پھیلنے سے وہاں بھی مختلف تھانوں میں رپورٹ ہو رہے ہیں"(36)**

خاندان کے سربراہ کی اہم ذمہ داری سے دست برداری کا نتیجہ نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے، خاندان میں بگاڑ، تناؤ یا ظلم کا ہونا اور جاری رہنا اس کی حیثیت پر ضرب لگاتا ہے۔ خاندان کا نگران اپنے اختیارات کا جب غلط طریقہ کار استعمال کرتا ہے اور شخصی آزادی کا استحصال کرتا ہے تو غلط نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ خاندانی نظام شکست وریخت کا شکار ہوتا ہے، اس حوالے سے درج ذیل تحریر اس کے تدارک کی اشد ضرورت کا احساس پیدا کر رہی ہے:

> **"ولی جب اپنے اختیارات میں افراط سے کام لیتا ہے تو جبری شادیاں، قرآن سے شادی، ونی کی رسوم اور دیگر بے شمار زیر ولایت کے استحصال کی صورتیں سامنے آتی ہیں اور شاید اس کا ایک نتیجہ فرار کی شادیاں بھی ہیں۔ جب زیر ولایت اپنے اختیارات میں تفریط کی طرف مائل ہو جائے تو چوری چھپے کے معاشقے، گھر سے فرار اور بڑوں کی عزت روندنے کے کئی دلخراش مناظر عدالتوں یا گلی بازار میں دکھائی دیتے ہیں"۔(37)**

عصر حاضر میں ولی اور عورت دونوں اپنے اختیارات کا غلط استعمال کر رہے ہیں ایک جانب ولی اپنے اختیار کا ناجائز فائدہ اٹھا رہا ہے جس کے نتیجے میں ونی، غگ اور قرآن سے شادی جیسی مذموم رسوم اسلامی معاشرے کی شکست وریخت کا باعث بن چکی ہیں دوسری جانب عدالتی اور فرار کی شادی میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اخبار کی رپورٹ سنگین نتائج سے مطلع کر رہی ہے:

36۔ روزنامہ اوصاف، لاہور 15 دسمبر 2011ء

37۔ روزنامہ جنگ، لاہور، 28 مارچ 1995ء

> "صرف لاہور میں ایک سال میں 500 سے 1000 جوڑے کورٹ میرج کرتے ہیں ان میں سے 60 فی صد کا تعلق لاہور سے ہوتا ہے۔ اگر حدود آرڈیننس نہ ہو تو اس تعداد میں 8 ' 10 گنا اضافہ ہو سکتا ہے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ یونیورسٹی میں تعلیمی سیشن کے اختتام، دیہات میں فصلوں کی کٹائی، یا شادیوں کے سیزن میں جب والدین اپنی بچیوں کے ہاتھ پیلے کرنا چاہتے ہیں تو ماں باپ کے فیصلوں کے خلاف بغاوت کرنے والے لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے"(38)

لاکھوں افراد کے قتل اور طویل عرصہ کے بعد پاکستان کی پارلیمنٹ نے غیرت کے نام پر قتل پر بل متفقہ طور پر منظور کر لیا ہے۔ اس بل کے تحت غیرت کے نام پر قتل کے مقدمات کو ناقابل تصفیہ قرار دیا گیا ہے، بل کے تحت مجرم قرار دیئے جانے والے شخص کو عمر قید سے کم سزا نہیں دی جا سکے، مقننہ کے نزدیک مجرم کو 25 سال سے کم سزا نہیں ہو سکے گی، غیرت بل کی منظوری کے نتیجے میں قاتل کو عمر قید جس کی معیاد صرف 25 سال کیا یہ سزا کافی ہے ؟اس شخص کے لیے جس نے ناحق قتل کیا اس بل میں سقم ہے معاشرے میں قتل، زندہ جلانا اور دیگر تشدد کی روک تھام کے لیے مزید قانون سازی اور سزا میں سختی کی ضرورت ہے، والدین، خاندان و معاشرے کے رویے جو حد اعتدال کے بجائے افراط و تفریط کا شکار ہوں وہی بگاڑ کا باعث ہوتے ہیں شادی بیاہ کے معاملات میں نوجوان نسل فرار کی شادیوں کی راہ تلاش کرتے ہیں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے وہ خاندان و والدین کی عزت کی بھی پرواہ نہیں کرتے کچھ والدین راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے بچوں کی پسند قبول کر لیتے ہیں کچھ نوجوان اپنے والدین کی مقابل اپنی پسند سے دست بردار ہو جاتے ہیں ایسے والدین و نوجوان ہیں لائق تحسین ہیں جو معاشرے میں عزت کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ایثار کرتے ہیں ایسے لوگ معاشرے کے لیے روشن مثال کی حیثیت بن جاتے ہیں اس کے برعکس وہ والدین و نوجوان جو اپنی پسند سے پر خاندان کی عزت داؤ پر لگا دیتے ہیں اس کا نتیجہ فرار کی شادی کی صورت میں سامنے آتا ہے جو ذلت و رسوائی اور بربادی و پچھتاوے کا سبب بن جاتا ہے۔

خفیہ نکاح کی شرح میں اضافہ

خاندان اور معاشرے سے بغاوت کی ایک شکل خفیہ تعلقات اور اس کے نتیجے میں خفیہ نکاح بھی ہے یہ ایک بڑا معاشرتی المیہ ہے گرچہ خفیہ نکاح خاندان کی مخاصمت و مخالفت کی وجہ سے کیا جاتا ہے مگر یہ معاشرتی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور بہت سی اخلاقی برائیوں کا مظہر بن جاتا ہے ،والدین بچپن سے اولاد کو ایسی تربیت دیتے ہیں جہاں لڑکا اور لڑکی ساتھ اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے اور ساتھ پڑھتے لکھتے ہیں جس کی وجہ سے بچے جب

38۔ سحری، انعام الرحمن، شادی ایک مطالعہ، ص:238،237

جوان ہو جاتے ہیں تو وہ اس ماحول کا حصہ بن جاتے ہیں اور مغربی تہذیب کا عکس ان کی زندگی میں نظر آتا ہے اور ایسے حالات میں والدین کی خواہشات و ترجیحات مشرقی و اسلامی اقدار کی خواہاں ہونا بے سود ہوتا ہے، نوجوان نسل اپنی زندگی میں کسی کی بھی مداخلت اور پابندیوں کو ظلم جانتے ہیں نوجوان جذبے، آزاد ماحول اور نوجوان لڑکے و لڑکی کی دوستی مجازی محبت کی بنیاد بن جاتی ہے اور اس موقع پر وہ ہر ایک کو ظالم سماج محسوس کرتے ہیں یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ نوجوان اپنے والدین سے اپنی پسند کے حصول کے لیے تعاون چاہتے ہیں جو والدین کے لیے ناقابل قبول ہوتا ہے اور ان کی خواہش کے خلاف اولاد سرکشی کرتے ہیں جذباتی فیصلہ کر لیتے ہیں یہی ان کے لیے پوری زندگی کے لیے پچھتاوے کا سبب بن جاتا ہے، معاشرے میں خفیہ نکاح کے بہت سے واقعات تیزی سے رونما ہو رہے ہیں۔ نوجوان نسل جلد بازی اور جذباتیت کے غلبے کی وجہ سے والدین کے عدم تعاون کا شکار ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کے اہم فیصلوں میں خاندان اور والدین کی عدم شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں جن میں خاندانی و سماجی روایات ہیں جو مناسب عمر میں نکاح کے لیے بڑی رکاوٹ ہیں۔ بسا اوقات نوجوان نسل روایات کی اس زنجیر کو دانستہ طور پر غلط طریقہ سے توڑ دیتی ہے جس کے نتیجے میں فرار اور خفیہ نکاح کے واقعات رونما ہوتے ہیں، اسی ایک مسئلہ کا شکار کا سوال اخبار میں شائع ہوا:

"مجھے بچپن میں اپنے کزن سے محبت ہو گئی، والد صاحب نہیں چاہتے تھے کہ یہاں میری شادی ہو ہم نے خفیہ نکاح کیا، نکاح میں دو گواہ موجود تھے، میرے دو ہزار حق مہر مقرر کر کے دو گواہوں کی موجودگی میں مجھ سے نکاح کیا، ان کے الفاظ یہ تھے میں (ان کا نام) اللہ کو حاضر ناظر جان کر ان دو گواہوں کی موجودگی میں دو ہزار حق مہر کے عوض آپ (میرا نام) سے نکاح کرتا ہوں، کیا آپ کو میرے نکاح میں آنا قبول ہے؟ انہوں نے تین دفعہ پوچھا، میں نے جواب میں تین دفعہ "قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے" کہا پھر میرے کزن نے خود ہی نکاح کا خطبہ پڑھا، کیا اس طرح ہمارا نکاح ہو گیا؟ (م۔ گل) جواب: گواہان کی موجودگی میں باہمی رضامندی سے ایجاب و قبول کرنے سے نکاح تو ہو گیا، مگر چھپ کر اور ولی کی اجازت کے بغیر نکاح شرفاء اور معززین کا شیوہ ہے، اس طرح کا نکاح بہت معیوب ہے اور اس سے اخلاقی اقدار اور اچھی معاشرتی روایات کو سخت صدمہ پہنچتا ہے (39)"۔

39۔ مولانا عبدالرزاق اسکندر، بحوالہ: روزنامہ جنگ لاہور، 7 مارچ 2017ء

مذکورہ مسئلہ کسی ایک نوجوان مسلمان جوڑے کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت سارے نوجوان اسی نوعیت کے مسائل کا شکار ہیں، ایسے لڑکے اور لڑکیاں اس آسودہ زندگی کے خواب کی تعبیر کبھی بھی نہیں پا سکتے جس کے لیے انہوں نے خفیہ نکاح کیا، ان کے لیے معاشرے اور خاندان میں کوئی عزت باقی نہیں بچتی اور نہ ہی باوقار طریقے سے اپنی ازدواجی زندگی کی ابتداء کر پاتے ہیں، یہ خفیہ نکاح نا صرف ان کے لیے بلکہ ان کی اولاد کے لیے بھی مشکلات کا باعث اور سوالیہ نشان بن کر رہ جاتا ہے اور اگر اس خفیہ نکاح کے بعد طلاق ہو جائے تو تکلیف اور دکھ ساری زندگی کا حصہ بن جاتے ہیں، جائز کام کو مشکوک اور غلط طریقے سے کرنا اس کی توہین و تذلیل ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں خفیہ نکاح کا مسئلہ پوچھا گیا جس کی گواہی دینے والے صرف ایک مرد و عورت تھے تو آپ نے فرمایا یہ خفیہ نکاح ہے میں اسے جائز نہیں کر سکتا اگر نبی ﷺ یا حضرت ابو بکر کا کوئی اسوہ میرے سامنے ہوتا میں (اس تعلق کو زنا کے حکم میں شامل کر کے) رجم کرتا۔ (40)

جائز کام کو اس انداز سے سر انجام دینا کہ اس کی حیثیت مشتبہ ہو جائے ناپسندیدہ ہے۔ خفیہ نکاح کی وجہ سے جو عزت و حرمت اور قدر و منزلت شادی شدہ جوڑے کو حاصل ہونی چاہئے وہ اس سے محروم ہو جاتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ انداز خفیہ نکاح کی مذمت اور ناپسندیدگی کی انتہا کا مظہر ہے، اس ضمن میں معروف اسکالر کی تحریر فکر انگیز ہے:

"عورت کی شادی اس کی پسند کے مطابق کی جائے۔ اگر اسلام کی اس تعلیم پر عمل کیا جائے تو یہ معاشرے کی استحکام اور والدین کے لیے عزت و شرف کا باعث بن سکتا ہے۔ بالغ لڑکی کی شادی اس کی پسند کے مطابق کرنا عین اسلام ہے اور والدین کے لیے باعث شرف اور خاندان کے لیے باعث رحمت ہے۔" (41)

اولاد اور ماں باپ کے مابین شادی بیاہ کے معاملات میں توازن ضروری ہے، اولاد کی تربیت اخلاقی خطوط پر ہونی چاہئے تاکہ بلوغت کی عمر تک اس کی سوچ میں پختگی ہو اور اپنی زندگی کے اہم فیصلوں میں وہ والدین اور خاندان کے تجربہ کار افراد کی مشاورت سے کامیاب ازواجی زندگی کی ابتدا کریں، والدین کو چاہئے کہ اولاد کی راہنمائی اسلامی خطوط پر کریں۔

پاکستان خاندانی نظام دوسرے معاشروں کے مقابلے میں قدرے مضبوط و مستحکم ہے اس لیے یہاں خفیہ نکاح جیسے مسائل ہوتے ہیں خاندانی قدروں کا حد درجہ لحاظ نوجوان نسل کو بسا اوقات ان اقدام کی جانب مائل کر دیتا ہے مگر اس کا مقصد ہر گز ایسے اقدام کی حوصلہ افزائی نہیں ہے، خفیہ نکاح میں

40۔ الزرقانی، محمد بن عبد الباقی، (2003ء)، شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك، القاهرة، مكتبة الثقافة الدينية، ج 3، ص 219، الرقم: 1136

41۔ روزنامہ سماء لاہور، 12 کتوبر 2016ء

CC BY

Published:
October 21, 2025

اضافہ بہر حال خاندانی نظام کی ساکھ کو مجروح کرنے کے ساتھ خاندانی نظام کے ٹکڑے ہونے کا باعث ہے، جن معاشروں میں خاندانی نظام کا تصور نہیں وہاں خفیہ نکاح کا بھی کوئی تصور ہونا محال نظر آتا ہے، عرصہ دراز سے مغرب کی یہ کوشش ہے کہ مشرقی و اسلامی اقدار اور ان کی تہذیب و تمدن کو مسخ کر دیا جائے تاکہ معاشرہ شکست و ریخت سے دوچار ہو جائے ان مذموم مقاصد کی تکمیل کا اہم ذریعہ ذرائع ابلاغ کا غلط استعمال بھی ہے، والدین کی عدم تربیت، معاشرتی خرابیاں اور درس گاہوں کے آزاد اور اختلاطی ماحول یہ سب عناصر پاکستانی خاندانی نظام کو متزلزل کر رہے ہیں۔

خلاصہ کلام

پاکستان میں مضبوط عائلی و قبائلی نظام بلاشبہ مستحکم معاشرتی زندگی کے لیے اہمیت کا حامل ہے مگر بعض قبائلی و خاندانی رسم و رواج خاندان اور معاشرے کی ریخت کا سبب بن چکے ہیں اور ایک اہم رکن نکاح میں آسانی کی بجائے تنگی کا باعث بن گئے ہیں۔ مذموم رسوم نے معاشرے میں بروقت نکاح کو ایک مشکل امر بنا دیا ہے۔ بچپن کے بے جوڑ رشتے، وٹہ سٹہ اور قرآن سے شادی اور غگ و نی جو انتقام کی ایک شکل ہے ان تمام رسوم کا ردعمل خاندانی دشمنی، خاندان سے بغاوت، کورٹ میرج اور خفیہ نکاح کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جو کسی بھی طور پر باعث شرف نہیں ہے اس سے نا صرف خاندان کی شرافت پر حرف آتا ہے بلکہ معاشرے کی اقدار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا اسباب و مسائل نکاح کے فوائد و مقاصد کے حصول میں نا صرف رکاوٹ ہیں بلکہ التواء کا بھی باعث ہیں، عصر حاضر میں یہ ایک بڑا سماجی مسئلہ کی صورت اختیار کر چکا ہے، اور بے شمار خاندان اس کے بھیانک نتائج بھگت رہے ہیں۔